تعدد ازواج کی آیت کا مطالعہ

مذکورہ آیت میں بنیادی طور پر دو چیزیں اور بھی زیر بحث آئی ہیں: ایک تعدد، یعنی کثرت ازواج اور دوسرے اس کے شرائط، یعنی عدل اور تحدید۔ ذیل میں ہم انہیں تفصیل سے دیکھتے ہیں:

تعدد

نکاح کا حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے: فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبْعًا فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ذَلِكَ آذَنِي أَلَّا تَعُولُوا۔ یعنی ان میں سے دو دو، تین تین، چار چار سے نکاح کر لو۔ پھر اگر ڈر ہو کہ انصاف نہ کر سکو گے تو ایک ہی بیوی رکھو یا پھر لونڈیاں جو تمہارے قبضے میں ہوں۔ یہ اس کے زیادہ قریب ہے کہ بے انصافی سے بچے رہو۔

یہ آیت کا وہ مقام ہے جہاں مفسرین کے ہاں تعدد ازواج کی اصل بحث شروع ہوتی ہے۔ چند باتیں اگر اس کے بارے میں بھی سامنے رہیں تو بہت سی آرا کا اپنے آپ محاکمہ ہو جاتا ہے:

پہلا یہ کہ قرآن میں کثرت ازواج کا حکم ابتداءً نہیں دیا گیا۔ انسانی تاریخ میں اس کا رواج، جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا، بہت قدیم زمانے سے شروع ہو گیا تھا۔ اگر بعض الہامی صحائف کی شہادت کو تسلیم کر لیا جائے تو اس کی ابتدا

آدم کی چھٹی نسل کے ایک شخص لمک سے ہو گئی تھی۔ اس لیے یہ کہنا کہ قرآن کی یہ آیت اس کا ماخذ ہے اور اسی سے اس کی ابتدا ہوئی، یہ دعویٰ صحیح نہیں ہے۔

دوسرے یہ کہ یہاں فعل امر فَاَنْكِحُوا، درحقیقت ایک مسئلے کا تجویز کردہ حل ہے، اس لیے اسے محض اجازت اور اختیار کے مفہوم میں لے لینا ممکن نہیں۔ یعنی اس کا مطلب یہ نہیں کہ تیموں کی بہبود کے لیے تم چاہو تو ایک سے زائد عورتوں سے نکاح کر لو اور چاہو تو نہ کرو یا اگر ایسا کرنا چاہو تو اس معاملے میں تم پر کوئی روک اور پابندی نہیں۔ اس فعل امر کو یہاں حکم ہی کے معنی میں ہونا چاہیے۔ البتہ یہ بات صحیح ہے کہ یہ حکم واجبی نوعیت کا نہیں تھا کہ اس کو مان لینا ہر ایک کے لیے لازم ہوتا، بلکہ یہ لوگوں کو اُس وقت کے حالات میں ایک کار خیر کی ترغیب دینے کے لیے دیا گیا۔ تیسرے یہ کہ فَاَنْكِحُوا، کا یہ حکم معاشرے میں پہلے سے موجود تعدد ازواج کے رواج سے فائدہ اٹھالینے کے لیے آیا ہے، اس بارے میں کوئی نیا قانون دینا، یہاں پیش نظر نہیں ہے۔ چنانچہ یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ خدا کا اصل منشا اس رواج کو ختم کر کے صرف ایک عورت سے شادی کا قانون دینا تھا، البتہ اس نے عربوں کے مزاج کی رعایت سے اسے مکمل طور پر ختم نہیں کیا اور اس پر چار کی شرط عائد کر دی۔ ہم جانتے ہیں کہ خدا کا منشا معلوم کرنے کا ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ اس کی طرف سے آنے والی وحی اور اس کے الفاظ کی دلالت ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ فَاَنْكِحُوا، کا لفظ، بلکہ ساری آیت اور یہ پورا سلسلہ کلام، اس طرح کی کسی بھی دلالت سے یک سرخالی ہیں۔ خدا کے پیش نظر اگر واقعی اس رواج کو ختم کرنا ہوتا تو وہ اس بات کو ایک قانون کی حیثیت سے ذکر کرتا اور یہاں نہیں تو کسی اور مقام پر اس کو ضرور کھول کر بیان کر دیتا۔ بالکل اسی طرح، جس طرح اسی آیت میں 'اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ' کے الفاظ میں لونڈیوں کا ذکر آیا ہے، مگر خدا کا ارادہ آخر کار اس رواج کو ختم کر دینا تھا، چنانچہ اس نے باقاعدہ قانون کے طور پر اسے ایک جگہ بیان بھی کر دیا ہے۔

چوتھے یہ کہ آیت میں جس طرح کسی نئے قانون کی بنیاد نہیں رکھی جا رہی، اسی طرح کسی اصل قانون میں سے کوئی استثناء بھی بیان نہیں کیا جا رہا۔ چنانچہ یہ بات صحیح نہیں کہ اسلام میں نکاح کے بارے میں اصل قانون ایک مرد اور ایک عورت کی شادی کا ہے اور یہ آیت اس میں سے ایک استثناء کو بیان کر رہی ہے۔ قرآن میں کہیں بھی ایک مرد اور ایک عورت کی شادی کا کوئی قانون بیان نہیں ہوا۔ آدم کے لیے ایک حوا کی پیدائش، ایک واقعہ ہے جس سے

۱۔ پیدائش: ۱۹:۴۔

۲۔ محمد: ۴:۴۔

زیادہ سے زیادہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ عام حالات میں اصل اور مطلوب طریقہ یہی ہے۔ اس سے آگے بڑھ کر اس کو قانون کا درجہ دے دینا، قرآن فہمی کی کوئی اچھی مثال نہیں ہے۔

اسی طرح بعض لوگوں کا یہ دعویٰ کرنا بھی صحیح نہیں کہ کثرت ازواج کے لیے جس عدل کی شرط ہے، اس عدل کا واقع ہو جانا ممکن ہی نہیں، جیسا کہ فرمایا ہے: **وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا اَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ**، کہ تم چاہو بھی تو عورتوں کے درمیان میں عدل نہیں کر سکتے۔ چنانچہ ایک سے زیادہ شادی کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔ یہ دعویٰ اس لیے صحیح نہیں کہ **وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا** کی آیت کثرت ازواج کے لیے مطلوب عدل کے امکان کی نفی نہیں کر رہی، بلکہ اس کے حدود کی وضاحت کر رہی ہے۔ اس میں صرف یہ بتایا گیا ہے کہ دلی جذبات اور ظاہر کے برتاؤ میں ترازو کی تول برابر ہو جائے، یہ ممکن نہیں اور نہ کسی سے اس کا تقاضا کیا گیا ہے۔ بلکہ مطلوب صرف یہ ہے کہ ایک بیوی کی طرف اس درجہ جھکاؤ نہ ہو کہ دوسری بیوی ایک عضو معطل ہو کر رہ جائے۔ پھر یہ بات بھی سوچنے کی ہے کہ ایک سے زیادہ عورتوں میں خدا عدل کی شرط رکھے اور پھر ہمیں خود یہ بھی بتا دے کہ تم اس عدل کی طاقت نہیں رکھتے تو کیا اس کے باوجود وہ ہمیں ایک سے زیادہ شادی کرنے کا حکم دے سکتا ہے، جیسا کہ زیر بحث آیت میں اس نے دیا ہے۔

پانچویں یہ کہ تعدد کا یہ معاملہ اپنی اصل میں جائز ہے اور کچھ خاص قسم کے حالات کے ساتھ لازم و ملزوم نہیں کہ وہ حالات ہوں تو اس پر عمل جائز ہو، وگرنہ ناجائز ہو۔ لہذا بعض حضرات کا یہ کہنا درست نہیں کہ یہ حکم اس لیے دیا گیا تھا کہ عرب کے پدرسرا نہ معاشرے میں عورت کے لیے مرد ہی کفالت کا واحد ذریعہ تھا، وہ بالغ ہو تو خاوند کی صورت میں اور اگر نابالغ ہو تو باپ کی صورت میں۔ تمدن کی ترقی کی وجہ سے چونکہ اس قسم کے معاشرے ناپید ہو گئے ہیں، اس لیے تعدد ازواج کا جواز بھی اب ختم ہو گیا ہے۔ یاد رہنا چاہیے کہ جو معاملہ اپنی اصل میں مباح ہے، کچھ خاص حالات کی وجہ سے اس پر عمل کرنا مستحب اور بعض اوقات واجب بھی ہو سکتا ہے، مگر اس کی اباحت ان حالات پر ہی موقوف قرار پائے، یہ بات صحیح نہیں ہے۔ طبیب کسی مریض کو دودھ پینے کا مشورہ دے یا اس کی تاکید کرے، اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ وہ مریض جب صحت یاب ہو جائے تو یہ دودھ اس کے لیے جائز نہ رہے۔ چنانچہ آیت کے بارے میں یہ تو کہا جاسکتا ہے کہ کثرت ازواج کا یہ حکم خاص حالات میں دیا گیا، اس اعتبار سے یہ حکم وقتی اور عارضی تھا، مگر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ بذات خود کثرت ازواج کا جواز وقتی اور عارضی تھا۔ غرض یہ کہ قرآن کے زمانے جیسے حالات دوبارہ سے پیدا ہو جائیں اور اگر اس کا امکان نہیں تو کچھ اور ناگزیر ضرورتیں لاحق ہو جائیں یا سرے سے کوئی

مسئلہ بھی نہ ہو، ان تمام صورتوں میں تعدد ازواج پر عمل کرنا بالکل جائز ہے اور وجہ اس کی یہی ہے کہ یہ اپنی اصل میں مباح ہے اور کوئی شرعی مانع اس میں موجود نہیں۔

عدل اور تحدید

کثرت ازواج کا جواز قرآن میں دو شرطوں کے ساتھ بیان ہوا ہے: ایک عورتوں کے درمیان میں عدل کرنا اور دوسرا ان عورتوں کی تعداد کا چار میں مقید ہونا۔ اس میں سے عدل پر تو کسی بحث کی ضرورت نہیں، اس لیے کہ یہ دین اور اخلاق کا بنیادی مسلمہ ہے اور اس میں کسی اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں، مگر تحدید کے بارے میں زیر بحث آیت کے یہ الفاظ ضرور قابل مطالعہ ہیں: 'مَنْثَى وَتَلَكَ وَرُبْعَ'۔ یعنی دو دو، تین تین اور چار چار سے نکاح کر لو۔

ان الفاظ کے بارے میں بعض لوگوں کی رائے ہے کہ یہاں دو دو، تین تین اور چار چار سے مقصود کوئی خاص عدد نہیں ہے کہ ان کی تحدید کا سوال پیدا ہو۔ یہ ایسا ہی اسلوب ہے جیسے ہم کہیں کہ اس کتاب کو دو چار مرتبہ پڑھو گے تو پھر اس کے مطالب کو جان پاؤ گے۔ یہ بات صحیح ہے کہ عربی زبان میں بھی اعداد اپنے مجازی معنی میں استعمال ہوتے ہیں، جیسے سات کا ہندسہ اپنے حقیقی معنی میں بھی ہو سکتا ہے اور مجازی معنی میں بھی، تاہم اس میں چند باتوں کا خیال رہنا چاہیے: ایک یہ کہ اس کے مجازی یا حقیقت ہونے کا فیصلہ خود وہ کلام کرتا ہے جس میں یہ استعمال ہوتے ہیں۔ دوم یہ کہ عربی زبان میں جب یہ مجازی معنی میں ہوں تو بالعموم مرکب کے بجائے مفرد کی صورت میں آتے ہیں، جیسے سات، ستر اور ہزار۔ سوم یہ کہ یہاں 'مَنْثَى وَتَلَكَ وَرُبْعَ' تک بات ختم ہو جاتی تو کسی درجے میں اس کو مجاز مانا جاسکتا تھا، لیکن اس کے بعد 'رُبْعَ' کا استعمال اس بات میں مانع ہے کہ اس کو مجاز کے معنی میں لیا جائے۔ غرض یہ کہ یہ اسلوب اپنے حقیقی معنی میں ہے اور اس پر دلیل مزید کے لیے قرآن کا وہ مقام بھی کفایت کرتا ہے جس میں فرشتوں کے لیے انھی الفاظ میں ارشاد ہوا ہے: 'أُولَئِكَ أَجْنَحَةٌ مَّنْثَى وَتَلَكَ وَرُبْعَ'، یعنی یہ فرشتے دو دو پروں والے بھی ہیں اور تین تین اور چار چار پروں والے بھی۔ اور ظاہر ہے، یہ الفاظ ان کے پروں کی متعین تعداد ہی کو بیان کر رہے ہیں۔

یہ مان لینے کے بعد کہ آیت میں اعداد اپنے حقیقی معنوں میں ہیں، اس بات میں پھر اختلاف ہے کہ یہ ہیں کتنے۔

۳۵ فاطر ۱: ۳۵۔ یہاں اُس شے کا بھی ازالہ ہو جانا چاہیے کہ اصل میں 'يَزِيدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاءُ' کے الفاظ ہیں جو مذکورہ اعداد کے حقیقی ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ یہ دلیل صحیح ہو سکتی تھی اگر یہ جملہ صرف فرشتوں کے پروں کے بارے میں آیا ہوتا، دراصل حالیکہ ایسا نہیں ہے۔

بعض لوگوں کے نزدیک یہاں واؤ جمع کے لیے آیا ہے، اس لیے مراد ان تینوں کا مجموعہ ہے۔ یعنی لوگوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ نو عدد عورتوں سے نکاح کر لیں کہ اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی نو نکاح کیے۔ بعض لوگ اس سے بھی تجاوز کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آیت میں اٹھارہ عورتوں سے نکاح کا حکم دیا گیا ہے، اس لیے کہ مُثْنَى وَثُلَّةٌ وَرَبْعٌ یہاں معدول ہو کر آئے ہیں اور مُثْنَى سے مراد دو نہیں، بلکہ دو دو ہیں اور اسی طرح دیگر اعداد کا معاملہ ہے۔ اس کے جواب میں عرض ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تو صاف طور پر بتا دیا گیا ہے کہ یہ اجازت صرف اور صرف آپ کے ساتھ خاص ہے، اس لیے اس کو دلیل بنا لینا ممکن نہیں۔ پھر واؤ بھی یہاں جمع کے لیے نہیں، بلکہ بدل کے طور پر آئی ہے۔ مطلب یہ کہ تم میں سے کوئی دو سے، کوئی تین سے اور کوئی چار سے نکاح کر لے۔ اس لیے کہ اہل عرب نو یا اٹھارہ کہنا چاہیں گے تو وہ اس کے لیے اعداد کو ٹکڑوں میں تقسیم کر کے اور پھر واؤ جمع لاکر کبھی بھی بیان نہیں کریں گے۔ مزید یہ کہ قرآن کا مدعا بھی اگر یہی ہوتا تو وہ سیدھا نو یا اٹھارہ کا ہندسہ استعمال کر دیتا، یوں حساب کا سوال بنا کر پیش کرنے کی آخر اس کو ضرورت کیا تھی۔

یہاں ایک نکتہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ مان لیا کہ ان الفاظ سے مراد دو سے چار تک کے اعداد ہیں، مگر کیا اس سے یہ لازم بھی آتا ہے کہ متکلم کے پیش نظر چار تک کی تحدید کرنا ہے۔ وہ ایک بھلائی کے کام کی ترغیب دے رہا ہے، بالکل اسی طرح جس طرح کہا جائے کہ خدا کی راہ میں فقیروں کو دو دو تین تین چار چار روپے دے دو۔ اب ظاہر ہے اس سے مقصود یہ نہیں ہوتا کہ کوئی پانچ روپے نہ دے۔ بلکہ کلام کا سیاق مد نظر رہے تو زیادہ سے زیادہ دینا متکلم کا مطلوب سمجھا جاتا ہے۔ اس نکتے کے جواب میں جن علما کی رائے یہ ہے کہ اسلام میں کثرت ازواج کا جواز بے حد و حساب نہیں، بلکہ اس میں چار تک کا حصر پایا جاتا ہے، انھوں نے مختلف طریقوں سے اس حصر کو ثابت کیا ہے:

بعض علما کا کہنا ہے کہ قرآن میں چاہے تعدد ازواج کی تحدید نہیں ہوئی، لیکن سب فقہاء کا اس پر اجماع ہو جانا، یہی اس کی دلیل ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ تعدد ازواج اگر اپنی اصل میں جائز ہے اور خدا اور رسول نے بھی اس کی کوئی حد مقرر نہیں کی تو کیا علما کا اجماع یہ حیثیت رکھتا ہے کہ اس کو شارع قرار دے دیا جائے اور صرف اسی بنا پر اس میں تحدید کو مان لیا جائے۔ ظاہر ہے خدا کو شارع اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شارع ماننے والا اور صرف قرآن و سنت کو دین کا ماخذ قرار دینے والا کوئی بھی شخص اس بات سے مطمئن نہیں ہو سکتا۔

بعض حضرات کے نزدیک یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول کچھ روایات ہیں جو چار تک کے حصر کو بیان کرتی

ہیں۔ ایک شخص کو جس کی دس بیویاں تھیں، آپ نے فرمایا کہ ان میں سے چار کو اپنے ساتھ رکھ لو اور باقی چھ کو چھوڑ دو۔ اسی طرح ایک شخص کی پانچ اور ایک کی آٹھ بیویاں تھیں، انہیں بھی آپ نے چار بیویاں رکھنے کی اجازت دی۔ ان روایات کی بنیاد پر بھی حصر کے استدلال کو مان لینا اتنا آسان نہیں۔ اس لیے کہ روایات کے بارے میں ہم جانتے ہیں کہ یہ بالعموم شرعی احکام کے اطلاقات کو بیان کرتی ہیں جو قرآن مجید یا پھر سنت میں پہلے سے موجود ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر، ایک شخص مسلمان ہو اور اس کے عقد میں دو سگی بہنیں تھیں۔ آپ نے اس سے بھی یہی فرمایا: 'اِحْتَرِ اَيْتَهُمَا شَعْتًا'، یعنی ان میں سے کسی ایک کو ساتھ رکھو اور دوسری کو طلاق دے دو۔ ظاہر ہے یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی مستقل بالذات حکم نہیں دے رہے، بلکہ قرآن مجید میں موجود 'وَ اَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ' کے حکم کا اطلاق فرما رہے ہیں۔ بالکل اسی طرح ان تحدید بیان کرنے والی روایات کا معاملہ ہے، یہ بھی لازماً کسی نہ کسی حکم شرعی کا اطلاق ہی بیان کر رہی ہیں۔ لیکن یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ حکم شرعی کہاں مذکور ہوا ہے کہ جس پر یہ روایات مبنی ہیں۔ اس کے جواب میں ہماری طالب علمانہ رائے یہ ہے کہ وہ حکم شرعی قرآن ہی میں مذکور ہوا ہے اور اس بات کی تفصیل کچھ یوں ہے:

آیت میں 'مُنْتَهَىٰ وَرُبْعَ' کے الفاظ اپنی نحوی تالیف کے لحاظ سے حال واقع ہوئے ہیں۔ حال کسی نہ کسی عامل کا تقاضا کرتا ہے اور وہ عامل یہاں فعل امر 'فَانِكْحُوْا' ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ جس حال کا عامل فعل امر حقیقی ہو تو وہ معنوی اعتبار سے شرط کے مفہوم میں ہوتا ہے۔ چنانچہ اس آیت کا ٹھیک لفظی ترجمہ یہ ہوگا: تم ان عورتوں میں سے جن کو موزوں خیال کرو، نکاح کر لو، شرط یہ ہے کہ وہ دو دو ہوں، تین تین ہوں اور چار چار ہوں۔ گویا اس میں تعدد ازواج کا صرف حکم بیان نہیں ہوا، بلکہ یہ چار تک کی تحدید کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بھی آیت کا یہی حصر ہے کہ جس کا اطلاق آپ نے مختلف موقعوں پر فرمایا ہے۔

۶ موطا مالک، رقم ۲۱۷۹۔

۷ شرح السنۃ، رقم ۲۲۸۹، ابوداؤد، رقم ۲۲۴۱۔

۸ ترمذی، رقم ۱۱۲۹۔

۹ النساء: ۲۳۔

۱۰ اس اسلوب کی مثالیں قرآن میں کئی جگہ پر دیکھی جاسکتی ہیں، جیسے: 'فَانِكْحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ مُحْصَنَاتٍ' (النساء: ۲۵)، 'وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً' (الاعراف: ۷) اور 'وَاذْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ' (الاعراف: ۷) وغیر ہا۔

دوسرے یہ کہ یہاں تعدد ازواج کی ترغیب بیہود کی خاطر دی گئی ہے۔ اس کی رعایت رہے تو ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ آیت میں زیادہ سے زیادہ نکاح کرنے کی ترغیب دی جاتی۔ اس کو بیان کرنے کا ایک طریقہ یہ تھا کہ زیادہ سے زیادہ نکاح کرو، یا اسی طرح کے کچھ الفاظ ہوتے۔ یا پھر عدد کا ذکر ہی نہ ہوتا، محض نکاح کرنے کا حکم ہوتا اور ہر کوئی اپنی استطاعت کے مطابق نکاح کر لیتا، جیسا کہ مثال کے طور پر انفاق کی ترغیب دیتے ہوئے جگہ جگہ اس اسلوب کو اختیار کیا گیا ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ یہاں کچھ اعداد کا ذکر کیا گیا ہے، اس کے باوجود کہ عرب معاشرے میں چار سے زائد شادیوں کا رواج معمول کی بات تھی اور اس کے باوجود کہ بہت سے لوگ اس کے لیے درکار وسائل بھی فراہم کر سکتے تھے۔ سو کچھ مخصوص اعداد کا ذکر کرنا، اس بات کی بین دلیل ہے کہ متکلم کے پیش نظر یہاں کثرت ازواج میں تحدید کو بطور شرط بیان کرنا مقصود ہے۔

تیسرے یہ کہ آیت میں فرمایا ہے: فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً۔ یعنی اگر ڈر ہو کہ تم دو، تین اور چار بیویوں میں انصاف نہ کر سکو گے تو ایک ہی بیوی رکھو۔ ان لفظوں سے بالبدراہت معلوم ہوتا ہے کہ یہ مان لیا گیا ہے کہ چار تک میں عدل کیے جانے کا امکان ضرور پایا جاتا ہے۔ دوسری جگہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چار سے زائد شادیوں کی اجازت دی گئی تو وہاں عدل کی شرط کو ساقط کر دیا گیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چار سے زائد شادیوں میں عدل کا امکان نہیں مانا گیا۔ ان دونوں باتوں کا یہ بدیہی نتیجہ نکلتا ہے کہ آیت مذکورہ میں عدل چونکہ شرط کے طور پر آیا ہے، اس لیے اب چار سے زائد نکاح کرنا ممنوع قرار پا گیا ہے۔

چوتھے یہ کہ چار تک کی اس تحدید پر قرآن نے ایک اور طریقے سے بھی مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔ سورۃ احزاب میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نکاح کے باب میں بعض خصوصی احکامات نازل ہوئے تو اس میں بنیادی طور پر دو ہی باتیں فرمائی گئیں: ایک یہ کہ آپ پر چار سے زائد نکاح کر لینے میں کوئی پابندی نہیں اور دوسری یہ کہ عدل کی شرط بھی بعض وجوہات کی بنا پر آپ پر قائم نہیں رہی۔ الفاظ یہ ہیں: خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ، قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِي أَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُونُ عَلَيْكَ حَرَجٌ۔ ظاہر ہے، اس کا مفہوم اس کے سوا کچھ نہیں کہ عام لوگوں کے نکاح میں یہ دونوں چیزیں شرط کے طور پر موجود ہیں۔

۱۱ الاحزاب ۳۳: ۵۱۔

۱۲ الاحزاب ۳۳: ۵۰۔